اصوات کا بصری روپ، حروفِ تہجی

ہارون راؤ

Haroon Rao,

Ph.D Scholar, Department of Urdu,
Lahore Garrison University, Lahore.

ڈاکٹر محمد ارشد اویسی

Dr. Muhammad Arshad Ovaisi

Head, Department of Urdu,
Lahore Garrison University, Lahore.

Abstract:

TheLanguage has been crossing many hurdles to reach its destination since its creation. In this research article an effort hasbeen made to explain thejourneyofwords, from sound to visibleformation of Alphabets.

These Alphabets are signs and representatives of different meaningful sounds. These are base and essential part of words. Words are a source of achievements and glory in the universe and help us to tackle the challenges of complicated world.

انسانی فکر و عمل کا دائرہ، مرورِ ایام کے ساتھ ساتھ وسعت پذیر ہے۔ انسان جیسے جیسے علم کے میدان میں آگے بڑھتا ہے، ایک تشنگی کا احساس بھی ساتھ ساتھ بڑھتا ہے۔ اور یہی احساس اس کو نئے نئے علوم کا کھوج لگانے کی طرف گامزن رکھتا ہے۔ اس طرح وہ نہ صرف نئے نئے علوم کی تلاش کا سفر جاری رکھتا ہے بلکہ پہلے سے موجود علم اور حقائق کی نئے سرے سے تحقیق کرتا ہے اور از سرِ نو یہ جائزہ لیتا ہے کہ عصرِ رواں تک پہنچنے والا علم کہاں تک حق و سچ پر مبنی ہے؟ اور اس میں بہتری کے تمام امکانات کا جائزہ بھی لیتا ہے۔ اور پھر اسی فکری اور عملی تسلسل کو برقرار رکھتے ہوئے وہ اعضائے نطق سے نکلنے والی طرح طرح کی اصوات اور ان کے بصری روپ کو حقائق کی کسوٹی پر پرکھتا ہے۔ ایک طویل سفر کے نتیجے میں اصوات نے حروف اور الفاظ کا بصری روپ اختیار کیا ہے۔

صوت اور صوتیات کے حوالے سے ''علمی اردو لغت'' میں درج کیا گیا ہے:

''صَوت: (ع۔ا۔مث) آواز۔ صدا۔ ندا۔

صَوت پیما: آواز کی پیمائش کرنے والا آلہ۔

صوتیات: (ع۔ا۔مث) وہ علوم وفنون جو آواز سے تعلق رکھتے ہیں۔''(۱)

زبانوں کی بنیاد اصوات پر ہوتی ہے، اصوات، صوت کی جمع ہے۔ اسی سے لفظ صوتیہ بنتا ہے اور صوتیہ سے صوتیات۔ اس لفظ میں ''ات'' کا استعمال، اس کو علم کی ایک شاخ ظاہر کرتا ہے۔

دوسرے بہت سے الفاظ بھی ''ات'' کے استعمال سے علم کی شاخ کی نمائندگی کرنے لگتے ہیں۔ جیسے:

اسلامی+ات=اسلامیات۔

دینی+ات=دینیات۔

حیاتی+ات=حیاتیات۔

اور اسی اصول پر لفظ صوتیات بنتا ہے:

صوتی+ات=صوتیات۔

صوتیہ آواز یا صوت کا اقل ترین جزو ہے، اس کا مزید تجزیہ یا تکسیر ممکن نہیں ہے اور یہ مختصر ترین جزو ہوتا ہے، جو کلام میں فرق پیدا کر دیتا ہے۔ مثلاً: چَل اور پَل۔ ان دونوں کلمات میں تین تین عناصر ہیں۔ آخری دو عناصر یکساں ہیں۔ 'چ' اور 'پ' کا اقل ترین فرق دونوں کلمات میں تفریق اور تفہیم کا باعث ہے۔

یہ ایک ایسا عنصر ہے جو مفرد ہے اور مزید تجزیے کی گنجائش نہیں رکھتا۔ یوں کہا جا سکتا ہے کہ یہ عنصر جو مفرد ہے، صوتی اکائی ہے۔ آج کل جدید لسانیات میں صوتیہ کے لیے لفظ فونیم ((Phoneme استعمال کیا جاتا ہے۔ صوتیہ سے لفظ صوتیات، بنتا ہے اور فونیم ((Phoneme سے، فونیمیات۔

الفاظ، آوازوں کا رُوپ ہوتے ہیں۔ انھیں بعد میں رسم الخط کا جامہ پہنا دیا جاتا ہے۔ یہ آوازیں، بنیادی طور پر دو طرح کی ہوتی ہیں، ایک کو مصوتے اور دوسری کو مصمتے کہتے ہیں۔ مصوتے کی ادائی کے وقت اعضائے نطق، حلق یا نرخرے سے گزرنے والی ہوا کے راستے میں رکاوٹ نہیں بنتے جبکہ مصمتے کی ادائی کے وقت اس کے برعکس ہوتا ہے۔

زبان کی نوعیت اور تعریف میں اکثر ماہرینِ لسانیات اور صوتیات اس امر پر متفق نظر آتے ہیں کہ زبان ایک فطری عمل کے نتیجے میں آگے بڑھتی ہے اور ارتقا پذیری کا عمل تواتر سے جاری رہتا ہے۔ زبان انسان کے خیالات، احساسات اور جذبات کے اظہار کا ذریعہ ہے۔ اسی کے توسط سے دوسرے کے خیالات، نظریات اور افکار تک رسائی ممکن ہے۔ زبان لوگوں کے درمیان افہام وتفہیم پیدا کرنے کا موثر وسیلہ ہے، مگر خیالات وجذبات کیا ظہار کے لیے، حرکات وسکنات یا تحریر کو بھی استعمال کیا جا سکتا ہے۔ دنیا کے بہت سے لوگ، اپنے خیالات وجذبات کے اظہار کے لیے زبان کو استعمال کرنے سے قاصر ہیں۔ مثلاً: کچھ لوگ قوتِ گویائی سے محروم ہیں، جنھیں گونگے کہا جاتا ہے اور کچھ لوگ قوتِ سماعت سے محروم ہوتے ہیں، جنھیں بہرے (Deaf) کہا جاتا ہے، یہ زبان کو اپنے خیالات کی ترسیل کا ذریعہ نہیں بنا سکتے۔ ان لوگوں کی حرکات وسکنات، جذبات اور احساسات کی ترجمانی کا فریضہ انجام دیتی ہیں۔ زمانہ قدیم میں مصوری کے ذریعے یہ فعل انجام پاتا تھا۔ قدیم کھنڈرات اور عمارات پر بنی ہوئی مختلف تصاویر اور نقش ونگار سے اس دور کے افراد کے خیالات، جذبات اور تہذیب وتمدن کی نمائندگی ہوتی تھی۔ ممکن ہے آج ان زبانوں کو جاننے والا کوئی نہ ہو اور اسی لیے ان کا شمار مردہ زبانوں میں ہوتا ہے۔ اہل زبان بھی کبھی کبھی اپنا مدعا بیان کرنے کے لیے زبان کی بجائے اشارات اور حرکات وسکنات کا سہارا لیتے ہیں۔ مثلاً: گردن اور ہاتھوں کو منفی انداز میں

حرکت دیں تو انکار کا مفہوم نکلتا ہے۔ منہ پر انگلی رکھنے سے خاموشی کا مفہوم ادا کیا جاتا ہے۔ خوشی اور غمی کو چہرے کے تاثرات سے ظاہر کیا جاتا ہے۔ زبان کے متعلق نہیں کہا جا سکتا کہ یہ واحد شے ہے، جو خیالات و جذبات کا اظہار کرتی ہے۔ لیکن اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ بعض افکار و خیالات کی ترجمانی حرکات و سکنات سے ممکن نہیں ہوتی۔ اس صورت میں زبان کا استعمال ضروری ہو جاتا ہے۔ خیالات و احساسات کی ترجمانی اور مطالب کے مفہوم کی ادائیگی کے لیے زبان کی ''قوتِ گویائی'' ایک مکمل ترین اور سب سے زیادہ موثر وسیلہ سمجھی جاتی ہے۔ عقل اور قوتِ گویائی کی خصوصیات کی وجہ سے انسان کی زبان، دوسری مخلوقات کی زبانوں سے منفرد حیثیت رکھتی ہے۔ ''قومی اردو لغت'' میں زبان کے حوال سے لکھا گیا ہے:

> ''زبان منہ کے اندر کا وہ عضو جس میں قوتِ ذائقہ ہوتی ہے اور جو نطق کا ذریعہ ہے۔ جیبھ۔
> بولی: جس کے ذریعے انسان تکلم یا تحریر کی صورت میں اپنے خیالات اور جذبات کا اظہار کرتا ہے۔''(۲)

زبان کا لفظ دو معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ ایک زبان (Language) بولی کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے اور دوسرے زبان (Tongue) آلۂ صوت کے معنوں میں اس ضمن میں ڈاکٹر محی الدین قادری رقم طراز ہیں:

> ''زبان خیالات کا مجموعہ ہے، اس کا کام یہ ہے کہ لفظوں اور فقروں کے توسط سے انسانوں کے ذہنی مفہوم و دلائل اور ان کے عام خیالات کی ترجمانی کرے۔ اس ترجمانی میں وہ حرکاتِ جسمانی بھی شامل ہیں جو کسی مفہوم کو سمجھانے کے لیے خاص خاص زبان بولنے والوں کے درمیان مشترک ہوتی ہیں۔ زبان انسانی خیالات اور احساسات کی پیدا کی ہوئی ان تمام عضوی اور جسمانی حرکتوں اور اشاروں کا نام ہے، جن میں زیادہ تر قوتِ گویائی شامل ہے اور جن کو دوسرا انسان سمجھ سکتا ہے اور جس وقت چاہے اپنے ارادے سے دہرا سکتا ہے۔''(۳)

زبان اظہار کا ایک ایسا ذریعہ ہے جو بامعنی تراکیب میں ظاہر ہونے والی تکلماتی آوازوں کے ذریعے ابلاغ کا کام کرتی ہے۔ غور و فکر کے حوالے سے بھی زبان کی اہمیت مسلمہ ہے۔ زبان کے عموماً دو طرح کے مقاصد ہوتے ہیں: (۱) بنیادی مقاصد، (۲) ثانوی مقاصد۔

ابلاغ اور تبادلۂ خیال، زبان کے بنیادی مقاصد ہیں، جب کہ ذہنی اعمال، مثلاً سوچ بچار وغیرہ، ثانوی مقاصد میں شامل ہیں۔ زبان انسانی آوازوں کا وہ بامعنی نظام ہوتا ہے جس کے ذریعے افراد سے معاشرہ میں رابطہ استوار رہتا ہے۔ ایک انسان دوسرے انسانوں کو متاثر کرنے کے لیے بولتا ہے۔ زبان کے توسط سے دوسروں سے مدد طلب کرتا ہے تا کہ مل جل کر ماحول پر کنٹرول برقرار رکھا جا سکے۔

فکر کو خاموش گویائی سے تشبیہ دی جاتی ہے۔ جب ہم سوچتے ہیں تو آہستہ آہستہ بولتے ہیں جب کہ بولنے کے دوران بلند آواز میں سوچتے ہیں۔ غور و فکر کے دوران اندرونی طور پر بات چیت جاری رہتی ہے اور دورانِ گفتگو سوچنے کا عمل جاری رہتا ہے۔ اگر ایسا نہ ہو تو فکر کے تمام دروازے بند ہونے کی وجہ سے گفتگو بے معنی ہو جائے۔ اس کی مدد سے لاشعور میں پوشیدہ افکار و خیالات کی بازیافت ممکن ہو جاتی ہے۔ یوں زبان ابلاغ کے ساتھ ساتھ جذبات کے اظہار کا وسیلہ بھی بن جاتی ہے۔ زبان کا

نظام چار مظاہر پر مشتمل ہوتا ہے:

۱۔حروفِ ابجد ۲۔علمِ صرف ۳۔علمِ نحو

۴۔زبان میں استعمال کیے جانے والے کلمے اور ان کے معانی وغیرہ۔

ابلاغ کے عمل میں تکلمی آوازوں کو خاص اہمیت دی جاتی ہے۔اظہار و ابلاغ کا دوسرا ذریعہ تحریر ہوتی ہے۔بقول خلیل صدیقی:

> ''تکلمی آوازوں کی ترکیبیں اور ڈھانچے معنویت پا کر مجموعی طور پر زبان کہلاتے ہیں۔گویا زبان تکلمی آوازوں کی مخصوص ترکیبوں اور ڈھانچوں میں مضمر ہوتی ہے۔جنھیں تکلمی آوازیں تشکیل دیتی ہیں۔لہذا زبان کو میڈیم سے تمیز کیا جانا چاہیے۔تکلمی آوازیں یا میڈیم ہی وہ مواد ہے جس سے زبان کی ہیئت تشکیل پاتی ہے۔''(۴)

زبان تکلمی ابلاغ کا ایک ایسا نظام ہے جسے تحریری نظام بھی تصور کر لیا جاتا ہے۔زبانیں ایک نسل سے دوسری نسل تک منتقل ہوتی ہیں اور ان میں ابلاغ کی خوبی ہوتی ہے۔بچہ آواز کی مدد سے مفہوم اخذ کرنے کی کوششیں کرتا ہے وہ اپنی ذہانت، آلاتِ صوت اور قوتِ نطق کا تعلق، قوتِ گویائی سے جوڑتا ہے۔بولی جانے والی زبان (Language) کا زبان (Tongue)، جو کہ تکلمی عضو ہے، سے گہرا تعلق ہے۔اس تعلق ہی کی وجہ سے زبان (Tongue) یعنی عضو اور زبان (Language) یعنی تکلم، ہم نام ہو چکے ہیں کیوں کہ انسان کا اپنی زبان سے گہرا تعلق ہوتا ہے۔

حرف اور لفظ کی تشکیل کے سلسلے میں یہ بات پیشِ نظر رہنی چاہیے کہ صوت پہلے تھی لیکن ابھی اس نے لفظ کا جامہ نہ پہنا تھا۔یعنی حروف اور الفاظ تھے، لیکن صرف بولنے کی حد تک۔اس تعلق کو تقویت اس وقت ملی جب اس صوت نے بصری روپ اختیار کیا۔اس تعلق کے حوالے سے ڈاکٹر سلیم اختر رقم طراز ہیں:

> ''جہاں تک انفرادی حیثیت میں حرف کا تعلق ہے تو یہ حرف زبان کی تشکیل میں اساسی کردار ادا کرنے والی صورت کی نمائندگی کرتا ہے۔اسے ''الف'' سے ظاہر کیا جائے یا ''ب'' سے، ''ج'' سے یا ''ک'' سے، ''م'' سے یا ''ن'' سے،۔اس سے فرق نہیں پڑتا کہ ''الف''، ''ب''۔''ج''، ''ک''، ''م'' اور ''ن'' کی اصوات کو کسی نہ کسی طرح ظاہر کیا جاتا تھا۔ہر چند کہ ''الف''، ''ب''۔''ج''، ''ک''، ''م'' اور ''ن'' کی مخصوص صوتیں بھی یونہی الل ٹپ نہ بن گئی تھیں بلکہ حرف کی مخصوص شکل متعدد ارتقائی مراحل کے بعد موجود صورت میں سامنے آئی ہے۔ہر حرف انسانی حلق سے نکلی ہوئی خاص آواز کی نشانی ہے۔''(۵)

کچھ زبانوں میں خوش آہنگی اور مٹھاس زیادہ ہوتی ہے۔ان زبانوں کو بولنے والے ثقیل اور سخت آوازوں کو ادا نہیں کر سکتے۔اُردو کے مقابلے میں فارسی اور انگریزی کے مقابلے میں فرانسیسی زبانوں کو زیادہ خوش آہنگ سمجھا جاتا ہے۔فرانسیسی بولنے والے کرخت اور ثقیل الفاظ کی ادائیگی پر قدرت نہیں رکھتے، جیسے: ''ٹ'' اور ''T''۔

زبان دراصل ایک ایسے صوتی سلسلے کا نام ہے، جسے انسان اپنے اعضائے نطقی کے ذریعے سے ظہور میں لاتا ہے اور پھر اعضائے سامعی کے ذریعے سماعت پذیر کرتا ہے۔زبان کا حقیقی مقصد، اظہارِ مطلب ہوتا ہے۔اس کے لیے آواز کا ہونا کوئی

ضروری شے بھی نہیں ہے۔ یہ کام اشاروں سے بھی کیا جا سکتا ہے۔ ایک گروہ زبان کے صوتی پہلو کو ثانوی حیثیت دیتا ہے۔ اس کے مطابق حقیقی جذبات اور احساسات کا اظہار فطری اشاروں، چہرے کے تاثرات اور موقع محل کے مطابق حلق سے پیدا ہونے والی آوازوں: اوہ، آہ کے ذریعے کیا جا سکتا ہے۔ اس گروہ کے مطابق انسان نے محض دوسروں کو دھوکا اور فریب دینے کے لیے زبان کے صوتی پہلو کو ایجاد کیا، یعنی انسان حقیقی احساسات اور جذبات کو چھپانا چاہتا ہے۔ بہرحال زبان کا صوتی پہلو چاہے انسان کی ریاکاری کا نتیجہ ہی کیوں ہو؟ انسانی معراج کا سبب بنا ہے۔ یہ الفاظ کی اکائیاں ہی تو ہیں، جن کی صورت میں ہم اپنے تجربات اور احساسات کو اپنے دماغ کی گہرائیوں میں محفوظ رکھتے ہیں۔ انھی الفاظ کے توسط سے تجربات دوسروں تک پہنچائے جاتے ہیں۔ تحریر بھی درحقیقت ان الفاظ کو ظاہر کرنے کا طریقہ ہے۔

ہم آج اس تحریر کی مدد سے سقراط، افلاطون اور ارسطو کے مکالمات سے استفادہ کرتے ہیں، ورنہ ان کے چہروں کے تاثرات اور ہاتھوں کے اشارے، ان کے ساتھ ہی سیکڑوں سال قبل ختم ہو چکے۔ چارلس ڈارون نے اس کی وجہ یہ بتائی کہ اشاراتی زبان کے لیے تو ہاتھوں کا استعمال ضروری ہوتا ہے، جب کہ صوتی زبان کی صورت میں ہاتھوں کا استعمال اور ہوتا ہے۔ اشاراتی زبان کے لیے روشنی اور مدِ مقابل کا ہونا بھی ضروری ہے، جب کہ صوتی زبان کو اندھیرے میں بھی استعمال کیا جا سکتا ہے۔ اس حوالے سے ڈاکٹر گیان چند جین رقم طراز ہیں:

> ''۱۔ سائنس حیوان سے انسان کا ارتقا مانتی ہے۔ لسانیات جدید علم ہے، یہ کوئی دینیات کی شاخ نہیں۔ اس لیے ہمیں ڈارون کے نظریہ آغازِ انواع (oforigintheofTheory species) کو تسلیم کرنا ہوگا۔
>
> ۲۔ اگر ہم یہ مانتے ہیں کہ انسان کا ارتقا حیوان سیہوا تو ضروری ہے کہ بالکل ابتدا میں وہ حیوانوں کی طرح غوں غاں کرتا ہوگا اور اسی سے رفتہ رفتہ نطق انسانی نے ارتقا پایا ہوگا۔''(۶)

حیوانی غراہٹیں اور دوسری آوازیں انسانی زبان میں کیوں کر تبدیل ہوئیں؟ اس کے متعلق نظریات کو جاننا ضروری ہے۔ زبان کے آغاز کے موضوع کو بشریاتی لسانیات میں پڑھا جاتا ہے۔ دنیا کی تمام زبانوں کا منبع ایک ہونے کے نظریے کو وحید خلقی کہتے ہیں جب کہ دوسرے نظریے کو کثیر خلقی کہتے ہیں۔ کثیر خلقی نظریے کے مطابق زبانوں کے متعدد خاندان ہیں۔ زبان کے آغاز اور لسانی خاندانوں کے متعلق بہت کم مواد دستیاب ہے۔ کیوں کہ بعد کے زمانے کے حالات اور ارتقائی واقعات نے ابتدائی شکلوں پر ایسا پردہ ڈال دیا ہے، جس کو دور کرنا موجودہ دور کے محققین کے لیے ایک بڑا چیلنج ہے۔ دنیا میں زبانوں کے بہت سے خاندان ہیں۔ زبان صرف انسانوں سے تعلق رکھتی ہے۔ جاہل سے جاہل بل کہ وحشی سے وحشی قبیلوں کے انسان بھی گفتگو کر سکتے ہیں۔ جب کہ دوسرے حیوانات، خواہ ان میں فہم کتنی ہی زیادہ کیوں نہ ہو؟ گفتگو نہیں کر سکتے۔ انسان نے پیدا ہوتے ہی، جب اس کے جسم میں دیگر تبدیلیاں پیدا ہو رہی تھیں، بولنا شروع کر دیا۔ انسان نے طبعی قوتوں کے بالا رادہ استعمال کے نتیجے میں گفتگو کی صلاحیت حاصل کی۔ زبانیں اور حروفِ ابجد اس قدر مختلف نہ ہوتے اگر بولنے اور لکھنے والے اپنی جدا جدا ضرورتوں اور اہلیتوں کے مطابق، خود ان میں ترقی اور تغیر و تبدل نہ کرتے۔ قدرتی ماحول کے مطابق ان زبانوں اور ان کے حروفِ ابجد میں تغیر و تبدل واضح طور پر دیکھا جا سکتا ہے۔

جب کوئی بچہ پیدا ہوتا ہے اور وہ جس طرح غیر ارادی طور پر سانس لیتا ہے، اسی طرح گفتگو شروع نہیں کر دیتا، حالاں

کہ بولنے کی خوبی تو اس کے اندر ودیعت شدہ ہے۔ فطرت نے خیالات، جذبات، خواہشات، منقولات اور معقولات انسانی دماغ میں اس طرح سے ودیعت کر رکھے ہیں کہ بوقت ضرورت زبان کی شکل میں رونما ہوتے ہیں۔ جب تک وہ پوشیدہ رہتے ہیں، ان کی صورت، ماں کے بطن میں بچے جیسی ہوتی ہے۔ تقریر کی شکل میں یہ بچہ پایہ تکمیل کو پہنچتا ہے۔ پھر تحریر کا لباس پہن کر جوانی اور بانکپن حاصل کرتا ہے۔

تاریخ شاہد ہے کہ زبان کا ارتقائی سفر، اشارات و کنایات سے شروع ہوا۔ پھر انسان نے اپنی سہولت کے لیے ان کو حروف کی شکل دی۔ یہ حروف اور ان سے تشکیل پانے والے الفاظ، ان اشارات و کنایات کا متبادل ہیں۔ ان الفاظ کو ملفوظی اشارات و کنایات کہا جاتا ہے۔ ان کا اخراج منہ سے ہوتا ہے۔ یہ سب ایک قسم کے اشارات و کنایات ہی تو ہیں۔ ملفوظی اور اعضائی اشارات میں صرف اتنا فرق ہوتا ہے کہ ملفوظی اشارات لفظ کی شکل میں رونما ہوتے ہیں، اعضائی اشارات کا کوئی تلفظ نہیں ہوتا۔ پروفیسر سید محمد سلیم صورت اور حرف کے تعلق کے متعلق رقم طراز ہیں:

> ''ہر حرف کسی نہ کسی آواز کی نمائندگی کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ تحریر کی ابتدا بتدریج ہوئی۔ پہلے انسان نے تفریح کے طور پر تصویریں بنانا شروع کیں۔ اس کے بعد خاکہ نگاری شروع کی اور اس کے ذریعے مفہوم ادا کرنے کی کوشش کی۔ خاکہ نگاری سے بات نقوش تک پہنچی۔ اس سے مزید ترقی کر کے انسان نے حلق سے نکلنے والی آوازوں کے لیے نقوش مقرر کر لیے۔''(۷)

بے شک تمام دنیا کے نوازائیدہ بچوں کے منہ سے نکلنے والی آوازیں تقریباً ایک جیسی ہوتی ہیں، مگر ان آوازوں کو حروفی اور اعرابی علامتوں میں ڈھالنے کے لیے مختلف قواعد اور طریقے استعمال میں آتے ہیں۔ انسانوں کے منہ سے نکلنے والی ممکنہ آوازیں تمام خطوں کی زبانوں میں موجود ہوتی ہیں، جیسے: ''س'' کی آواز دنیا کی ہر زبان میں موجود ہے۔ جب کہ ''ت''، ''پ''، ''ز''، ''ح'' اور ''خ'' کی آوازیں کسی خطے میں ہیں، کسی میں نہیں ہیں۔ صاف ظاہر ہے جہاں دنیا کی زبانوں میں یکسانیت ہے، وہاں فرق بھی ہے۔ ان آوازوں کا موازنہ کیا جائے تو محسوس ہوتا ہے کہ ان میں سے بیشتر آوازیں آفاقی نوعیت کی ہیں، مگر ان آوازوں کو قواعد کی رو سے علامات یعنی حروفِ ابجد میں ڈھالنے کا نظام، دنیا کے مختلف خطوں میں مختلف ہوتا ہے۔ یہ حروفِ ابجد مختلف آوازوں کی علامات کی نمائندگی کا فریضہ انجام دیتے ہیں اور ان کا بصری روپ کہلاتے ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ وارث سرہندی، مؤلف: علمی اردو لغت، لاہور: علمی کتاب خانہ، ۲۰۱۵ء، ص:۹۸۱

۲۔ قومی اردو لغت۔ جلد یازدہم، کراچی: اردو لغت بورڈ، ۱۹۹۰ء، ص:۱۹

۳۔ زور، محی الدین قادری، ہندوستانی لسانیات، علی گڑھ: ایجوکیشنل بک ہاؤس، ۲۰۰۵ء، ص:۲۶۔۲۵

۴۔ رابعہ سرفراز، ڈاکٹر، اردو زبان اور بنیادی لسانیات، فیصل آباد: مثال پبلشرز، ۲۰۱۵ء، ص:۱۹

۵۔ سلیم اختر، ڈاکٹر، اردو زبان کی مختصر ترین تاریخ، دہلی: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، ۲۰۰۸ء، ص:۱۵

۶۔ گیان چند جین، ڈاکٹر، لسانی جائزے، لاہور: مغربی پاکستان اکیڈمی، ۲۰۰۵ء، ص:۲۴

۷۔ محمد سلیم، سید، پروفیسر، اردو رسم الخط، کراچی: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۸۱ء، ص:۴۱